بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اشارات

دنیا میں اس وقت بڑے زور کے ساتھ توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔ یہ ہم نہیں جانتے کہ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا، اہل زمین کو محض انکے کرتوتوں کی سزا ہی دینے کا ارادہ کیا گیا ہے یا اس توڑ پھوڑ کے بعد کوئی صالح چیز بھی بننے والی ہے۔ مگر ظاہر آثار سے اتنا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ نوع انسانی کی امامت اب تک جس تہذیب کے علمبرداروں کو حاصل رہی ہے اسکی عمر پوری ہو چکی ہے، اُن کے امتحان کا زمانہ خاتمہ پر آ لگا ہے، اور سنت اللہ کے مطابق اب وقت آگیا ہے کہ انکو اور انکی اس جاہلی تہذیب کو دنیا کے انتظام سے بے دخل کر دیا جائے انکو زمین پر کام کرنے کا جتنا موقع ملنا تھا مل چکا۔ وہ اپنے تمام اوصاف، اور اپنی تمام چھپی ہوئی قابلیتوں کا پورا پورا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ اُنکے اندر شاید اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی ہے جو باہر نہ آ چکی ہو۔ لہذا غالب گمان یہی ہے کہ عنقریب وہ میدان سے ہٹائے جانے والے ہیں، اور یہ زبردست شکست و ریخت اسی لیے ہو رہی ہے کہ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مراسم تجہیز و تدفین ادا کر دیں۔ اسکے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا میں پھر ایک ظلمت کا دور شروع ہو جس طرح آخری اسلامی تحریک کے زوال اور موجودہ جاہلی تہذیب کی پیدائش کے درمیان گذر چکا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی ٹوٹ پھوٹ کے دوران میں کسی نئی تعمیر کی صورت نکل آئے۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت، قومی اجتماعیت (نیشنل سوشلزم) اور اشتراکیت (کمیونزم) کی جو طاقتیں اس وقت آپس میں متصادم ہیں، یہ دراصل الگ الگ تہذیبیں نہیں ہیں کہ انکے درمیان انتخاب، اور ان میں سے بہتر کے باقی رہنے کا کوئی سوال ہو۔ حقیقت میں یہ ایک ہی تہذیب کی تین شاخیں ہیں۔ ایک ہی تصور انسان، ایک ہی تصور کائنات، ایک ہی نظریۂ حیات اور ایک ہی اساس اخلاقی ہے جس پر ان تینوں کی تعمیر ہوئی ہے۔ انسان کو حیوان سمجھنا، دنیا کو بے خدا فرض کرنا، علوم طبیعی سے انسانی زندگی کا قانون اخذ کرنا، اور اخلاق کی بنا تجربہ و مصلحت پر رکھنا، یہ ان سب کی مشترک بنیاد ہے۔ ان کے درمیان فرق صرف اس حیثیت سے ہے کہ اس جاہلی تہذیب نے سب سے پہلے فرد کی آزادی اور قوموں کی انفرادیت کا بیج بویا تھا جس سے قومی ریاستوں کے ساتھ سرمایہ دارانہ جمہوریت پیدا ہوئی اور مدتہائے دراز تک انسانیت کو تباہ و برباد کرتی رہی، پھر جب اس کے ظلم و ستم سے انسانی مصائب حد کو پہنچ گئے تو اسی تہذیب نے اشتراکی انقلاب کو بطور علاج پیش کیا، مگر بہت جلدی ظاہر ہو گیا کہ یہ علاج اصل مرض سے بھی زیادہ تباہ کن ہے، آخر کار وہی تہذیب پھر ایک دوسری تجویز سامنے لائی جس کا نام فاشزم یا نیشنل سوشلزم ہے اور چند سال کے تجربہ نے ثابت کر دیا کہ اس ام الخبائث کا یہ آخری بچہ فتنہ انگیزی و شرارت میں پہلے دونوں برخورداروں سے بھی بازی لے گیا ہے۔

اب دنیا کے لیے اُس تہذیب کو اور زیادہ آزمانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہا ہے جو آدمی کو جانور سمجھ کر، اور اس جانور کو بے لگام فرض کر کے اپنا کام شروع کرتی ہے اور اسکے اندر جوع البقر سے لیکر بدترین قسم کی درندگی تک ہر وہ بیماری پیدا کر دیتی ہے جو آدمیت کے حق میں نہایت مہلک ہے۔ درحقیقت یہ پوری تہذیب اپنی تمام شاخوں سمیت عمر طبعی کو پہنچ چکی ہے، امتحان کی مدت ختم کر چکی ہے، اس کے پاس اب کوئی اور انچھر ایسا باقی نہیں رہا ہے جس کو یہ انسانی مسائل کے حل کی حیثیت سے پیش کر سکے، اور بالفرض اگر یہ اپنی زندگی کی مہلت بڑھانے کے لیے کسی اور "ازم" کی تخلیق کا بہانہ کرے بھی تو خدا کی مشیت

یہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ اسے اپنی زمین کو فساد سے بھرنے کا کوئی اور موقع دیگا۔ بہت ممکن ہے کہ موجودہ تصادم کے بعد اسکی شاخوں میں سے کوئی ایک شاخ باقی رہ جائے مگر یقیناً اُس کا بقا رعارضی ہوگا، جلدی ہی وہ شاخ خود چیخ کر اپنے اندر سے آگ جھاڑیگی اور آپ اپنی آگ ہی سے جل کر خاک ہوجائیگی۔

اب رہا یہ سوال کہ آیا اس تہذیب کی تباہی کے بعد دنیا میں پھر کوئی ظلمت کا دور آتا ہے یا کوئی نئی تعمیر شروع ہونی ہے، تو اس کا فیصلہ دو چیزوں پر منحصر ہے:

ایک یہ کہ جاہلیت خالصہ کی ناکامی کے بعد کوئی اور ایسا نظریہ انسان کو ملتا ہے یا نہیں جو پچھلے فاسد نظریوں سے بہتر ہو، جس سے انسانی عقل صلاح کی توقعات وابستہ کرسکے اور جس پر ایک جاندار اور طاقتور تہذیب قائم ہوسکتی ہو۔

دوسرے یہ کہ نوع انسانی میں سے کوئی ایسا گروہ اٹھتا ہے یا نہیں جسکے اندر جہاد اور اجتہاد کی وہ صلاحیتیں اور قوتیں ہوں جو ایک نئے نظریہ پر ایک نئی تہذیب کا قصر تعمیر کرنے کے لیے ضروری ہیں، اور جسکے اخلاق و اوصاف اُن لوگوں سے مختلف ہوں جنکی خباثت و شرارت کا ابھی قریب ہی میں انسان کو تجربہ ہوچکا ہے۔

اگر ایسا کوئی نظریہ بروقت سامنے آجائے اور اسکو لے کر ایک صالح جماعت اٹھ کھڑی ہو تو یقیناً نوع انسانی ایک دوسرے دور ظلمت سے بچ سکتی ہے، ورنہ کوئی قوت اسکو اس تاریک گڑھے میں گرنے سے نہیں بچاسکتی۔ یہ صدمۂ عظیم جس سے انسانیت اس وقت دوچار ہے، یہ بھیڑیوں سے بدتر سلوک جو اس وقت آدمی آدمی کے ساتھ کررہا ہے، یہ بے دردی و سنگدلی جو کبھی دور وحشت میں بھی آدمی سے ظاہر نہیں ہوئی تھی، یہ بےرحمی و قساوت جسکی نظیر درندہ جانور بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں، یہ علم و حکمت کے نتائج جو آج جہاں سوز طیاروں اور انسان پاش ٹینکوں کی شکل میں دیکھے جارہے ہیں، یہ تنظیمی قابلیتوں کے ثمرات جنہوں نے آج غارت گر فوجوں کی صورت اختیار کی ہے، یہ صنعتی ترقی کے پھل جو آج آلات جنگ کی

بھیانک شکل میں نمودار ہو رہے ہیں، یہ وسائل نشر و اشاعت کا کمال جس سے آج دنیا میں جھوٹ پھیلانے اور قوموں میں منافرت کے زیج بونے کا کام لیا جا رہا ہے، یہ سب کچھ انسان کا دل توڑ دینے اور اسکو اپنے آپ سے اور اپنی ساری قابلیتوں اور صلاحیتوں سے مایوس کر دینے کے لیے بالکل کافی ہے، اور اس کا فطری نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ نوع انسانی دل شکستہ و مایوس ہو کر صدیوں کے لیے نیند اور بے ہوشی کی حالت میں مبتلا ہو جائے۔

جیسا کہ اوپر بیان کر چکا ہوں، انسانیت کو اس دردناک انجام سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف ایک صالح نظریہ اور ایک صالح جماعت کا برسرِ کار آنا ہے۔

مگر وہ کونسا نظریہ ہو سکتا ہے جس کے لیے آج کامیابی کا کوئی موقع ہو؟

مشرکانہ جاہلیت جس پر دنیا کی بہت سی قدیم تہذیبیں قائم ہوئی تھیں، اب اسکے احیاء کا کوئی امکان نہیں۔ شرک کی جڑ کٹ چکی ہے۔ جاہل عوام پر چاہے اس کا تسلط ابھی باقی ہو، مگر علم و عقل رکھنے والے لوگ اب اس وہم میں مبتلا نہیں ہو سکتے کہ کائنات کے نظام کو بہت سے خدا چلا رہے ہیں، اور انسان کی فلاح و سعادت کا سر رشتہ دیوتاؤں یا روحوں سے وابستہ ہے۔ علاوہ بریں یہ حقیقت ہے کہ مشرکانہ نظریہ سے انسانی زندگی کے پیچیدہ مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ پیچیدگیاں کچھ اور بڑھ جاتی ہیں۔ سب سے بڑی مشکل جس نے اس وقت دنیا کو پریشان کر رکھا ہے، نوع انسانی میں وحدت کا فقدان ہے۔ مگر شرک اس مشکل کو حل نہیں کرتا، بلکہ وحدت پیدا کرنے کے بجائے مزید تفریق و تقسیم کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا کسی مشرکانہ نظریہ کے لیے آج دنیا میں برسرِ اقتدار آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

راہبانہ جاہلیت دنیا میں کبھی کوئی طاقت نہ تھی نہ بن سکتی ہے۔ کرما اور تناسخ اور اصنا اور ہمہ اوست کے نظریات، جو روح کو سرد اور ہمتوں کو پست اور قوائے فکریہ کو افیونِ تخیل کی پینک میں مست

کر دینے والے ہیں، اپنے اندر اتنی جان ہی نہیں رکھتے کہ ان کے بل پر کوئی ایسی تہذیب پیدا ہو سکے جو زمین کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہو اور دنیا کی امامت و پیشوائی کے منصب جلیل پر فائز ہو سکتی ہو۔ کوئی سامری اس تنِ مردہ میں روح پھونکنے کی جتنی چاہے کوشش کر دیکھے، یہ نظریات کبھی گیان اور تیاگ اور تپسیا کے مقام سے آگے بڑھ کر ایک صالح تمدن کی تخلیق اور ایک عادل مملکت کی تاسیس اور ایک درخشاں تہذیب کی تعمیر تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا مردہ اور رو بزوال قومیں تو ان نظریات کے چکر میں پڑی رہ سکتی ہیں مگر کسی زندہ اور ابھرنے والی قوم کے تخیل کو یہ کبھی اپنی طرف نہیں کھینچ سکیں گے۔

رہی جاہلیت خالصہ تو اس کا اور اس کی پیداوار کا اب دنیا کو اتنا کافی تجربہ ہو چکا ہے کہ عنقریب وہ اس سے مایوس ہونے والی ہے۔ انسان کا اپنے آپ کو جانور فرض کرنا، جانوروں کی زندگی سے تنازع للبقاء اور انتخاب طبیعی اور بقائے اصلح کا قانون اپنے لیے اخذ کرنا، مادّی فوائد اور لذتوں کو مقصودِ حیات ٹھیرانا، تجربات اور مصالح کو اخلاق کا ماخذ قرار دینا، اور کسی فوق الانسانی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہ کرنا، جو کچھ نتائج پیدا کر سکتا تھا وہ سب اپنی تمام تلخیوں کے ساتھ سامنے آ چکے ہیں۔ ان نظریات کی بدولت انسان کو جو کچھ ملا ہے وہ قومی اور نسلی تعصبات ہیں، رنگ و نسل کی برتری کے دعوے ہیں، قومی ریاستوں کی معاشی و سیاسی رقابتیں ہیں، قیصریت اور استعمار اور معاشی لوٹ کے فتنے ہیں، افراد سے لیکر بڑی بڑی قوموں اور سلطنتوں تک کا اپنے معاملات میں ہر اخلاقی قید سے آزاد ہو جانا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کا واقعی جانور بن کر کام کرنا اور دوسرے انسانوں کے ساتھ جانوروں کا سا بلکہ بے روح مشینوں کا سا سلوک کرنا ہے۔ یہ نظریات اگر جمہوریت پیدا کرتے ہیں تو ایسی جس میں افراد کو ظلم اور کسبِ حرام اور فحش اور بے حیائی کی آزادی ملتی ہے۔ اور اگر اشتراکیت یا اجتماعیت پیدا کرتے ہیں تو ایسی جس میں افراد کو بھیڑ بکریوں کے گلے کی طرح ایک ڈکٹیٹر یا ایک چھوٹی سی پارٹی کے حوالہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ انہیں جس طرح چاہے ہانکے اور ان کا جو کچھ چاہے بنائے۔ یہ پھل جو ان نظریات سے پیدا ہوئے

ہوئے ہیں، کسی اتفاقی غلطی کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اس شجرِ خبیث کی عین فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے یہ پھل پیدا ہوں۔ لہذا جس طرح اب تک انسان اس سے کسی قسم کی فلاح نہیں پا سکا ہے اسی طرح آئندہ بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ انسانیت کے اس حیوانی تصور اور کائنات کے اس مادّہ پرستانہ نظریے اور اخلاق کی اس تجربی اور مصلحت پرستانہ بنیاد پر کوئی ایسا اجتماعی مسلک پیدا ہو سکے گا جو انسان کے لیے موجبِ فلاح ہو۔

ان سب نظریات کی ناکامی کے بعد اب دنیا اگر کسی نظریہ سے فلاح کی امیدیں وابستہ کرسکتی ہے تو وہ صرف ایک ایسا نظریہ ہی ہو سکتا ہے:

جو انسان کو انسان قرار دے نہ کہ جانور، جو اپنی ذات کے متعلق انسان کی رائے کو بہتر بنائے، جس کا تصورِ انسانیت مغربی سائنس کے "تصورِ حیوانی"، اور مسیحیت کے "پیدائشی گنہگار"، اور ہندویت کے "مجبورِ تناسخ" سے بلند تر ہو۔

جو انسان کو مختارِ مطلق اور شترِ بے مہار نہ بنائے بلکہ اسے سلطانِ کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ کا تابع قرار دے اور اسکے آگے ذمہ دار و جواب دہ ٹھیرائے،

جو اخلاق کے ایک ایسے قابلِ عمل ضابطہ کا انسان کو پابند بنائے جس میں اپنی خواہشات کے مطابق ردوبدل کرنیکا حق اسکو نہ ہو،

جو مادّی بنیادوں پر انسانیت کو تقسیم کرنے کے بجائے ایک ایسی اخلاقی و روحانی بنیاد فراہم کرے جس پر انسانیت متحد ہو سکتی ہو،

جو اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول انسان کو دے جن پر افراد اور جماعتوں اور قوموں کے درمیان صحیح اور متوازن عدل قائم ہو سکے،

جو زندگی کے نفس پرستانہ مقاصد سے بلند تر مقاصد اور رفذر و قیمت کے مادّہ پرستانہ معیاروں سے بہتر معیار انسان کو دے،

اور ان سب خصوصیات کے ساتھ، جو علمی و عقلی اور تمدنی ارتقا میں انسان کی صرف مذہبی نہ کرے بلکہ صحیح رہنمائی بھی کرے اور مادی و اخلاقی، ہر دو حیثیتوں سے اسکو ترقی کی طرف لے جائے۔

ایسا ایک نظریہ دنیا میں اسلام کے سوا اور کونسا ہے؟ لہذا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ اب انسانیت کا مستقبل اسلام پر منحصر ہے۔ انسان کے اپنے خود ساختہ تمام نظریات ناکام ہو چکے ہیں۔ ان میں کسی کے لیے اب کامیابی کا کوئی موقع نہیں۔ اور انسان میں اب اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ پھر کسی نئے نظریہ کی تصنیف اور اسکی آزمائش پر اپنی قسمت کی بازی لگا سکے۔ اس حالت میں صرف اسلام ہی ایک ایسا نظریہ و مسلک ہے جس سے انسان فلاح کی توقعات وابستہ کر سکتا ہے، جس کے لیے نوع انسانی کا دین بن جانے کا امکان ہے، اور جسکی پیروی اختیار کر کے انسان کی تباہی ٹل سکتی ہے۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ دنیا میں مفتوح ہونے کے لیے تیار بیٹھی ہے، اسلام کی خوبیوں پر ایک وعظ اور اس پر ایمان لانے کے لیے ایک دعوت نامہ شائع ہونے کی دیر ہے، پھر ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ سب مسخر ہوتے چلے جائینگے۔ ایک تہذیب کا سقوط اس طرح اچانک نہیں ہوا کرتا کہ کل تھی اور آج ناپید ہو گئی۔ اور دوسری تہذیب کا قیام بھی اس طرح واقع نہیں ہوتا کہ آج چٹیل میدان ہے اور کل کسی منتر کے زور سے ایک عالیشان قصر بن کھڑا ہو۔ گرنے والی تہذیب کے افکار، اصول، طریقے مدتہائے دراز تک دلوں اور دماغوں پر، علوم و آداب پر اور تمدن و معاشرت پر اپنا اثر جمائے رہتے ہیں۔ اس اثر کا استیصال خود بخود نہیں ہو جاتا، کرنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح گرنے والی تہذیب کے علمبردار بھی زوال پذیر ہونے کے باوجود سالہا سال تک زمین پر قبضہ جمائے رہتے

ہیں۔ وہ خود جگہ چھوڑ کر نہیں ہٹ جاتے، ہٹانے سے ہٹتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس نئی تہذیب پر نئی عمارت بنانا بھی کوئی کھیل نہیں ہے کہ آپ سہولت سے بیٹھے رہیں اور وہ خود بنجائے۔ اس کام کے لیے ایک زبردست تنقیدی، تخریبی اور تعمیری تحریک کی ضرورت ہے، جو ایک طرف علم و فکر کی طاقت سے پرانی تہذیب کی جڑیں اکھاڑ دے اور دوسری طرف علوم و فنون و آداب کو اپنی مخصوص فکری بنیادوں پر از سر نو مدوّن کرے حتی کہ ذہنی دنیا پر اس طرح چھا جائے کہ لوگ اسی کے طرز پر سوچنا اور محسوس کرنا شروع کر دیں، ایک طرف ان پرانے سانچوں کو ڈھائے جن پر انسانیت ڈھلا کرتی تھی اور دوسری طرف نئے سانچے تیار کرے جن سے نئے اخلاق اور نئی سیرتوں کے آدمی ڈھلنے لگیں، ایک طرف پرانے نظام تمدن و سیاست کو بزور مٹائے اور دوسری طرف ایک پورا نظام تمدن و سیاست اپنے اصولوں پر عملاً قائم کر دے۔

پس دنیا کو آئندہ دور ظلمت کے خطرے سے بچانے اور اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ یہاں ایک صحیح نظریہ موجود ہے۔ صحیح نظریہ کے ساتھ ایک صالح جماعت کی بھی ضرورت ہے۔ اسکے لیے ایسے لوگ درکار ہیں جو اس نظریہ پر سچا ایمان رکھتے ہوں۔ انکو سب سے پہلے اپنے ایمان کا ثبوت دینا ہوگا اور وہ صرف اسی صورت سے دیا جاسکتا ہے کہ وہ جس اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں اسکے خود مطیع بنیں، جس ضابطہ پر ایمان لاتے ہیں اسکے خود پابند ہوں، جس اخلاق کو صحیح کہتے ہیں اسکا خود نمونہ بنیں، جس چیز کو فرض کہتے ہیں اسکا خود التزام کریں، اور جس چیز کو حرام کہتے ہیں اسے خود چھوڑیں۔ اسکے بغیر تو انکی صداقت آپ ہی مشتبہ ہوگی کجا کہ کوئی اسکے آگے سر تسلیم خم کرے۔ پھر انکو اس فاسد نظام تہذیب و تمدن و سیاست کے خلاف عملاً بغاوت کرنی ہوگی، اس سے اور اسکے پیرووں سے تعلق توڑنا ہوگا، اُن تمام فائدوں، لذتوں، آسائشوں اور امیدوں کو چھوڑنا ہوگا جو اس نظام سے وابستہ ہوں، اور رفتہ رفتہ ان تمام نقصانات، تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ہوگا جو نظام غالب کے خلاف بغاوت کرنے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ پھر انہیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو ایک فاسد نظام کے تسلط کو مٹانے اور ایک صحیح نظام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس انقلاب کی جد و جہد میں اپنا مال بھی قربان کرنا ہوگا، اپنے اوقات عزیز بھی صرف کرنے پڑینگے، اپنے دل و دماغ اور جسم کی ساری قوتوں سے بھی کام لینا پڑیگا، قید اور جلاوطنی اور ضبطی اموال

اور تباہی اہل و عیال کے خطرات بھی سہنے ہونگے اور وقت پڑے تو جانیں بھی دینی پڑینگی۔ ان راہوں سے گذرے بغیر دنیا میں نہ کبھی کوئی انقلاب ہوا ہے نہ اب ہو سکتا ہے۔ ایک صحیح نظریہ کی پشت پر ایسے صادق الایمان لوگوں کی جماعت جب تک نہ ہو محض نظریہ خواہ وہ کتنا ہی بلند پایہ ہو، کتابوں کے صفحات سے منتقل ہو کر ٹھوس زمین میں کبھی جڑیں نہیں پھیلا سکتا۔ نظریہ کی کامیابی کے لیے خود اسکے اصول کی طاقت جسقدر ضروری ہے اسیقدر اُن انسانوں کی سیرت، اُنکے عمل، اور اُنکی قربانی و سرفروشی کی طاقت بھی ضروری ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہوں۔ زراعت کے طریقہ کی درستی، بیج کی صلاحیت، موسم کی موافقت سب اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں مگر زمین اتنی حقیقت پسند ہے کہ جب تک کسان اپنے صبر سے، اپنی محنت سے، اپنے بہتے ہوئے پسینہ سے، اور اپنی جانکشی سے اس پر اپنا حق ثابت نہیں کر دیتا، وہ لہلہاتی ہوئی کھیتی اُگلنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

اگرچہ خلوص ایمان اور قربانی و جانفشانی ہر دین کے قیام کے لیے ناگزیر ہے، خواہ وہ دینِ حق ہو یا دینِ باطل۔ مگر دینِ حق اُس سے بہت زیادہ اخلاص اور قربانی مانگتا ہے جو دینِ باطل کے قیام کے لیے درکار ہے۔ حق ایک ایسا باریک بیں صرّاف ہے جو ذراسی کھوٹ کو بھی قبول کرنیکے لیے تیار نہیں ہوتا۔ وہ خالص سونا چاہتا ہے تاکہ آزمائشوں کی بھٹی میں سے گذر کر جب تک ساری کھوٹ جل نہ جائے اور پورے عیار کا کندن نکل نہ آئے وہ اپنے نام سے اسکو بازار میں لانے کی ذمہ داری لینا پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ حق ہے، باطل نہیں ہے کہ کھوٹے سکے اور ملمع کیے ہوئے زیور بیچتا پھرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن بار بار کہتا ہے:

مَاكَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ
(آل عمران - ۱۸)

اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ایمان لانے والوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم لوگ اس وقت ہو (کہ مومن اور منافق سب خلط ملط ہیں) وہ نہ مانیگا جب تک کھوٹے کو کھرے سے الگ نہ کر دے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔
(عنکبوت - ۱)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہدینے پر کہ ہم ایمان لائے چھوڑ دیے جائینگے اور انہیں آزمائش کی بھٹی میں تپایا نہ جائیگا حالانکہ ان سے پہلے جو گذرے ہیں (یعنی جنہوں نے بھی ایمان لانے کا دعویٰ کیا ہے) وہ ضرور تپائے گئے ہیں۔ ضرور ہے کہ اللہ دیکھے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً (التوبہ-۲)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم سستے چھوڑ دیے جاؤگے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون ایسے ہیں جنہوں نے سعی وجہد کا حق ادا کیا اور اللہ اور رسول اور اہلِ ایمان کے سوا کسی سے قلبی تعلق نہ رکھا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ (بقرہ-۲۶)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت کا داخلہ تمہیں مل جائیگا حالانکہ ابھی تم پر وہ کیفیت تو گزری ہی نہیں جو تم سے پہلے (ایمان لانے والوں) پر گزر چکی ہے۔ ان پر سختیاں اور مصیبتیں آئیں اور وہ ہلا مارے گئے حتی کہ رسول اور اسکے ساتھی اہلِ ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ، وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ، أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ، وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ۔ (العنکبوت-۱)

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے مگر جب اللہ کی راہ میں انہیں ستایا گیا تو انسانوں کی ایذا سے ایسے ڈرے جیسا اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے۔ حالانکہ اگر تیرے رب کی طرف سے فتح نصیب ہو جائے تو یہی لوگ آکر کہینگے کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے۔ کیا اللہ اہلِ دنیا کے دلوں کی حالت سے خوب واقف نہیں ہے؟ مگر ضرور ہے کہ اللہ یہ دیکھے کہ تم میں سے ایمان دار کون ہیں اور منافق کون۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ، أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ (بقرہ-۱۹)

ہم ضرور تم کو خطرات اور فاقوں سے اور جان و مال اور کمائیوں کے نقصانات سے آزمائینگے، اور کامیابی کی بشارت دیدو اُن مستقل مزاج لوگوں کو جنہوں نے ہر مصیبت کی آمد پر کہا کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور آخر اسی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ ایسے لوگوں پر انکے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمتیں اور یہی لوگ راہ راست پانے والے ہیں۔

قرآن یہ سب کچھ کہنے کے ساتھ اس حقیقت پر بھی متنبہ کر دیتا ہے کہ

وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ (محمد-۱)

یعنی یہ نہ سمجھنا کہ اللہ اپنے باغیوں کی سرکوبی خود نہیں کر سکتا اسلیئے تم سے مدد مانگتا ہے۔ نہیں، وہ اتنی زبردست طاقت رکھتا ہے کہ چاہے تو ایک اشارے میں انکو تباہ کر کے رکھدے اور اپنے دین کو خود قائم کر دے، مگر اس نے یہ جہاد اور محنت اور قربانی کا بار تم پر اسلیئے ڈالا ہے کہ وہ تم انسانوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں آزمانا چاہتا ہے

جب تک باطل پرستوں سے تمہارا تصادم نہ ہو، اور اس تصادم میں مصائب و شدائد اور خطرات و مہالک پیش نہ آئیں، سچے اہلِ ایمان جھوٹے مدعیوں سے ممیز نہیں ہو سکتے، اور جب تک ناکارہ لوگوں میں سے کارآمد آدمی چھنٹ کر الگ نہ ہو جائیں وہ جتھا نہیں بن سکتا جو خلافتِ الٰہیہ کی ذمہ داری سنبھالنے کا اہل ہو۔

لہٰذا آج دنیا کا مستقبل درحقیقت اس امر پر منحصر نہیں ہے کہ کوئی نظریۂ حق انسان کو ملتا ہے یا نہیں، کیونکہ نظریۂ حق تو موجود ہے، البتہ وہ اگر منحصر ہے تو اس امر پر ہے کہ انسانوں میں سے کوئی ایسا گروہ اٹھتا ہے یا نہیں جو سچے ایماندار، دُھن کے پکے اور اپنی ہر عزیز و محبوب چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنیوالے لوگوں پر مشتمل ہو۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگ اب کہاں مل سکتے ہیں، وہ تو بس ایک مبارک دور میں پیدا ہوئے تھے اور پھر خالق نے اس ماڈل کو ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ محض ایک وہم ہے اور ایسا وہم انہی لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے جنہیں خود اپنے آپ سے مایوسی ہے۔ دُنیا میں ہر قابلیت اور ہر صلاحیت کے آدمی ہر دَور میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں منافقانہ خصوصیات رکھنے والے اور ضعیف الارادہ لوگ اور سہولت پسند اشخاص ہمیشہ پائے گئے ہیں اور آج بھی پائے جاتے ہیں، وہاں ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جو کسی چیز پر ایمان لانے کے بعد اس کو سربلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا سکتے ہیں۔ آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک دو نہیں ہزاروں انسان ایسے ہیں جو ہٹلر اور جرمنی پر ایمان لائے ہیں اور وہ اپنے اس ایمان کی خاطر ہوائی جہاز سے عین دشمن کے ملک میں جست لگاتے ہیں جہاں انکو معلوم ہے کہ بے شمار شکاری انکی گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ روس کا انقلاب ابھی چوبیس پچیس سال پہلے ہی کی بات ہے۔ اسکی تاریخ آپ دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ ہزارہا آدمی جو انقلابی نظریات پر ایمان رکھتے تھے مسلسل نصف صدی تک ہر قسم کی قربانیاں کرتے رہے، سائبیریا کے جہنم میں بھیجے گئے، پھانسی پر چڑھائے گئے، جلاوطنی کی حالت میں برسوں ملک ملک کی خاک چھانتے پھرے، اپنی ذاتی خوشحالی کی تمام خواہشوں اور تمناؤں کا خون کیا، خانماں بربادی کو خود اپنے ہاتھوں مول لیا، اور یہ سب کچھ اس وقت کیا جبکہ زار کی سلطنت کے مٹنے کا تصور بھی مشکل ہی کیا جا سکتا تھا۔ دور نہ جائیے، خود ہندوستان ہی کو

دیکھ لیجیے ۔ یہاں جو نوجوان اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے کہ کشت و خون کے ذریعے سے وہ اپنے ملک کو آزاد کرا سکیں گے انہوں نے اپنے مقصد کے پیچھے اپنی زندگیوں کو برباد کرنے اور خطرات کا مقابلہ کرنے میں کیا کسر اٹھا رکھی ؟ کونسی ممکن التصور مصیبت ایسی تھی جسے انہوں نے برداشت نہ کیا ہو؟ قید خانوں میں شدید ترین اذیتیں اٹھائیں، حبس دوام میں عمریں گذاردیں، پھانسی کے تختہ پر جانیں تک دیدیں۔ اس سے بحث نہیں کہ انکے نظریات غلط تھے، مگر اس سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ کسی مقصد پر ایمان لانے کے بعد اسکے لیے جان و مال اور شخصی امنگوں کی قربانی گوارا کرنے اور مصیبتیں سہنے کی صفت آج بھی انسانوں میں ناپید نہیں ہے۔ گاندھی جی کی سول نافرمانی ابھی حال ہی کی بات ہے ۔کیا اسی ہندوستان کے باشندوں میں ایسے لوگ موجود نہ تھے جنہوں نے لاٹھیاں کھائیں، جیل گئے اور مالی نقصانات برداشت کیے ؟ کیا باردولی کے کسانوں نے اپنی زمینوں، اپنے جانوروں اور اپنے گھر کے برتنوں تک کی قرقی اور نیلام کو صبر کے ساتھ برداشت نہیں کیا ؟ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ آج ایثار و قربانی کی وہ صفات انسانوں میں مفقود ہیں جو پہلے لوگوں میں پائی جاتی تھیں ؟ اگر ہٹلر اور مارکس اور گاندھی پر ایمان لا کر انسان یہ سب کچھ کر سکتا ہے، تو کیا خدا پر ایمان لا کر کچھ نہیں کر سکتا ؟ اگر خاک وطن میں اتنی کشش ہے کہ اسکے لیے آدمی جان و مال کی قربانی گوارا کر سکتا ہے تو کیا خدا کی رضا اور اسکے تقرب میں اتنی بھی کشش نہیں ہے ؟ پس جو لوگ خود پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہیں انہیں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اس کار عظیم کے لیے جن اولوالعزم انسانوں کی ضرورت ہے وہ کہیں مل ہی نہیں سکتے، البتہ اپنی ذات کی حد تک وہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ

محرم کی اشاعت میں جماعت اسلامی کی تشکیل کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے اسکو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات اس نصب العین اور اس طریق کار سے متفق ہیں اور اسکے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں یا کر رہے ہیں وہ دفتر ترجمان القرآن کو اپنے عزم سے مطلع فرمائیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ جہاں جہاں اس فکر کے آدمی موجود ہیں انکے درمیان ربط پیدا کیا جائے اور انکے اجتماع کی کوئی صورت نکالی جائے۔ لہذا اگر ہمیں انکے پتے معلوم ہوں تو ایک اجتماعی ہیئت بنانے میں بڑی سہولت ہو جائیگی۔ بہت سے حضرات ایسے ہیں جو مقصد سے متفق ہیں اور کام کرنا چاہتے ہیں، مگر صرف یہ دیکھ کر خاموش بیٹھے ہیں کہ بظاہر کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔ اب انہیں مہر سکوت توڑنی چاہیے اور اپنے ارادے کا اظہار کر دینا چاہیے۔ بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو اپنی اپنی جگہ اس سلسلہ میں کچھ کام کر رہے ہیں۔ مگر انہیں سمجھنا چاہیے کہ ایک فکر اور ایک مقصد رکھنے والے لوگوں کا الگ الگ رہنا اصولاً غلط اور عملاً غیر مفید ہے۔ ایسے سب حضرات اگر دفتر ترجمان القرآن کو ایک واسطہ کی حیثیت سے استعمال کریں تو انکے درمیان رابطہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا ہم امید کریں کہ ایسے تمام حضرات غیر ضروری تامل کے بغیر ہمیں اپنے پتوں اور ضروری حالات سے آگاہ فرما دینگے ؟